اسلام اور گلوبلائزیشن قرآنی تعلیمات کی روشنی میں

عبدالرؤف ظفر
عمر حیات

عصرِ حاضر میں ''گلوبل ویلیج'' کا تصور ذرائع ابلاغ میں جدت اور حد درجہ ترقی کی بدولت سامنے آیا ہے اور ترقی یافتہ اقوام کے اندر اقوامِ عالم کی قیادت کرنے کی تحریک پیدا ہوئی ہے، جس کے انسانی معاشرے اور تہذیب پر مثبت کم اور منفی اثرات زیادہ ہوں گے کیونکہ Global Village کے تصور کے تحت Super powers دنیا میں نئے عالمی نظام کا نفاذ چاہتی ہیں، جو سراسر انہی کے مفادات اور توسیع پسندانہ عزائم کی عکاسی کرتا ہے۔ اس نئے عالمی نظام میں چھوٹی اور کمزور اقوام اور بالخصوص عالمِ اسلام کے تشخص کی بقاء کی کوئی ضمانت فراہم نہیں کی گئی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اقوامِ عالم کی اجتماعی فلاح و بہتری کے لیے ایک ہی عالمی نظام کی ضرورت ہے بشرطیکہ وہ اقوام کا استحصال نہ کرے، چھوٹی اقوام کو بڑی اقوام کا اور کمزور انسانوں کو طاقت ور انسانوں کا غلام نہ بنائے بلکہ غیر جانبدارانہ اور عادلانہ بنیادوں پر سب کے حقوق کا محافظ اور حقیقی صلاح و فلاح کا ضامن ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقوامِ عالم کی حقیقی فلاح کا عظیم مقصد انسان کے بنائے ہوئے کسی نظام کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے خالقِ حقیقی کے وضع کردہ نظام کی ضرورت ہے کیونکہ اس اصول کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ مخلوق کی ضرورتوں اور فطری تقاضوں کو صرف اس کا خالق ہی جانتا ہے۔ اس اصول کے رو سے انسانیت کی حقیقی فلاح کے لیے ایک ایسے الہامی نظامِ ہدایت اور فکر و فلسفہ کی ضرورت ہے جسے خالق کائنات نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعہ انسان کے لیے نازل فرمایا۔

اسی الہامی نظامِ فکر و عمل کا نام 'اسلام' ہے، جسے خالقِ کائنات اللہ وحدہ لاشریک نے انسانی معاشرے اور تہذیب و تمدن کی فلاح اور نشو وارتقاء کے لیے پسند فرمایا۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًاۢ بَیْنَهُمْ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ.(آل عمران:۹)	اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور اہلِ کتاب نے اختلاف نہیں کیا مگر باہمی بغض کی بنا پر علمِ حقیقت پہنچ جانے کے بعد اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام نے تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں اسی نظام کے نفاذ کے لیے کام کیا۔ سیّدنا آدمؑ ہوں یا نوحؑ وابراہیمؑ ہوں یا سلیمانؑ، شریعتِ موسیٰؑ کی صورت میں ہو یا شریعتِ عیسویؑ کی شکل میں، اللہ کا یہ پسندیدہ نظام مرحلہ وارتقاء پذیر رہا اور بالآخر شریعتِ محمدیؐ کی شکل میں مکمل ہوا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.(المائدہ:۳)	آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمھارے لیے دینِ اسلام کو پسند کیا۔

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر مکمل ہونے والے نظامِ زندگی کے تمام مراحل ایک ہی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں، جو سب کی سب مقدس، معتبر اور مبنی برحق وصداقت ہیں۔ اسی سلسلے کا ایک اہم پہلو وہ پیش گوئی اور شہادت ہے جو رشد وہدایت کے ان تمام مراحل میں کارفرما رہی یعنی ہدایت. کے نقطۂ عروج (شریعتِ محمدیؐ) کو بلا چون وچرا تسلیم کرنا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ	یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں کے بارے میں تم سے عہد لیا تھا کہ ''آج میں نے تمھیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمھارے پاس

وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ.(آل عمران:۸۱)

اُسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمھارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ پھر اللہ نے پوچھا ''کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟'' انھوں نے کہا ''ہاں ہم اقرار کرتے ہیں'' اللہ نے فرمایا: ''اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔

تاریخی شواہد کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خالقِ کائنات نے 'دینِ اسلام' کو ہر دور کے انسانی معاشرے کے لیے حقیقی عالمی نظام (Real World Order) کے طور پر پیش کیا ہے اور سب پر اسی کی پابندی لازم ٹھہرائی ہے۔ یہ عالمی نظام صرف چند عقائد و نظریات یا اخلاقی تعلیمات کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں سیاسی، معاشی، تہذیبی، تعلیمی اور اخلاقی اور دوسرے تمام پہلو اپنی بہترین نظریاتی اور عملی شکل میں موجود ہیں۔ اس میں فرد سے لے کر پورے معاشرے تک اور کسی ایک قوم سے لے کر اقوامِ عالم تک کی قیادت کی بھرپور صلاحیت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ... (آل عمران:۱۱۰)

اور تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے مبعوث کیے گئے ہو۔

اس عالمی نظام میں چونکہ تمام اقوام کے تمام تقاضوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لہٰذا یہ بات بلا جواز ہوگی کہ انسان اپنے مسائل کے حل کے لیے اس سے ہٹ کر کوئی اور راستہ تلاش کرے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ.(آل عمران:۸۵)

اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب بنے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں میں سے ہوگا۔

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (آل عمران: ۱۵۴) — کہہ دیجیے کہ سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى (الانعام: ۷۱) — کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔

اسلام حسن استدلال کی بنیاد پر اقوام عالم کو ایک عالمی نظام دیتے ہوئے انھیں وحدت کی لڑی میں منسلک کرتا ہے۔ وہ اس بات کے حق میں نا قابل تردید دلائل پیش کرتا ہے کہ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی اقوام کے اندر ایک فطری وحدت موجود ہے، جسے ابھارنے اور اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس فطری وحدتِ اقوام عالم کے تصور کے تحت یہ بات محتاج ثبوت نہیں رہ جاتی کہ صرف فطری عالمی نظام (اسلام) ہی اقوام عالم کو حقیقی فلاح سے ہم کنار کرسکتا ہے اور اس کے ہوتے ہوئے انسانی معاشرے کو کسی نئے عالمی نظام (New World Order) کی ضرورت نہیں۔ درج ذیل امور نسل انسانی کے درمیان مشترک ہیں۔ دین فطرت ان کی بنیاد پر اقوام عالم کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔

۱۔ نسل انسانی کا مادہ تخلیق ایک ہے۔

۲۔ نسل انسانی کا خالق ایک ہے۔

۳۔ نسل انسانی کا مقصد وجود ایک ہے۔

۴۔ نسل انسانی کا مرجع ایک ہے۔

۱۔ نسل انسانی کی اصل ایک ہے:

قرآن مجید میں یہ بات بار بار کہی گئی ہے کہ نسل انسانی کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ. (الروم: ۲۰) — اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر دیکھتے دیکھتے بشر بن کر (روئے زمین پر) پھیل جاتے ہو۔

اسی بات کو حدیث نبویؐ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

انتم بنو آدم و آدم من تراب ؎	تم آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ نسل انسانی کا مادہ تخلیق مٹی ہے جو بلالحاظ عقیدہ و مذہب اور رنگ و نسل، نسلِ انسانی کی اصل ہے۔ خالق کائنات نے انسان کو مٹی سے تخلیق کر کے اس کی نسل کو روئے زمین پر پھیلا دیا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً کَثِیْراً وَّ نِسَاءً. (النساء:۱)	جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا (الحجرات:۱۳)	اے لوگو ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو کنبوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم باہم دگر تعارف حاصل کرو۔

۲۔ خالق وحدہ لاشریک ہے۔

یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ خالق کائنات جس نے انسان کو بھی پیدا کیا ایک ہی ہے اور اس پورے عمل تخلیق میں اس کا کوئی شریک کار اور معاون نہیں۔

یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَکَ. (الانفطار:٦)	اے انسان تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں جس نے تجھے پیدا کیا کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِى خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ. (البقرة: ٢١)

اے لوگو بندگی کرو اپنے اس رب کی جس نے تم کو بھی پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے گذرے ہیں۔

۳۔ نسل انسانی کا مقصد تخلیق ایک ہے۔

ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ. (الذاریات:۵۶)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

اس سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ انسان کا مقصدِ وجود صرف ایک ہی ہے یعنی اپنے خالق کے حکم اور قانون کی تعمیل اور اصولی طور پر مخلوق کو خالق کے حکم کے تابع رہنا چاہیے۔

۴۔ نسل انسانی کا مرجع ایک ہے۔

اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ بالآخر سارے انسانوں کو خالق کائنات کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس اٹل انجام سے کسی کو مفر نہیں۔ دنیا میں وہ کسی بھی مذہب کا پیرو کار اور کسی بھی نظریہ حیات پر یقین رکھتا ہو، آخر کار محاسبہ اعمال کے لیے اسے اللہ کے حضور ہی پیش ہونا ہے اور اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ. (البقرہ:۲۸)

تم اللہ کا کس طرح انکار کرتے ہو اور حال یہ ہے کہ تم مردہ تھے تو اس نے تم کو زندہ کیا، پھر وہ تم کو موت دیتا ہے، پھر زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (یونس:۲۳)

لوگو: تمہاری سرکشی کا وبال تمہارے ہی اوپر آنے والا ہے، چند دن دنیا کی زندگی کا نفع اٹھالو، پھر تمہاری واپسی ہماری طرف ہی ہے، پھر ہم تمہیں تمہاری کرتوتوں سے آگاہ کریں گے۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا:

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. (الجاثیۃ:۲۶)

ان کو بتادیجیے کہ اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے، پھر تم کو مارتا ہے، پھر وہ تم کو روزِ قیامت جمع کرے گا۔

نیز:

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ. (الواقعہ:۴۹-۵۰)

کہہ دیجیے یقیناً اگلے پچھلے سب جمع کیے جائیں گے ایک معین دن کی مقررہ مدت تک۔

اس گفتگو کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ پوری نسل انسانی بنیادی طور پر ہر لحاظ سے ایک ہی ہے۔ البتہ اس وحدت کے برقرار رہنے کا انحصار خالق کائنات کے دیے ہوئے عالمی نظام پر ہے۔ یہ نظام اس وقت بھی موثر اور بھرپور افادیت کا حامل تھا جب انسانوں کی آبادی بہت کم تھی اور ذرائع ابلاغ بھی انتہائی سادہ تھے اور آج بھی اتنا ہی موثر ہے جب انسانی معاشرہ حیرت انگیز حد تک پھیل چکا ہے اور ذرائع ابلاغ غیر معمولی اور ناقابل یقین حد تک ترقی کر چکے ہیں۔ وحدتِ اقوام میں خلل اس وقت واقع ہوتا ہے جب اس پر خارجی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں اور فطری عالمی نظام کے پختہ اصولوں سے انحراف کیا جاتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ

لوگ ایک ہی امت بنائے گئے (انھوں نے اختلاف پیدا کیا) تو اللہ نے اپنے انبیاء بھیجے جو خوش خبری سناتے ہوئے اور بیدار کرتے ہوئے آئے اور ان کے ساتھ کتاب بھیجی قول فیصل کے ساتھ تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ ان میں فیصلہ کردے اور اس میں اختلاف نہیں

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (البقرہ:۲۱۳)

کیا مگر ان ہی لوگوں نے جن کو یہ دی گئی تھی، بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی ہدایات آ چکی تھیں، محض باہمی ضد کے سبب سے۔ پس اللہ نے اپنی توفیق بخشی سے اہل ایمان کی اس حق کے معاملہ میں رہنمائی فرمائی جس میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ اللہ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

اسی سلسلہ میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنَ. (الانبیاء:۹۲)

بے شک یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو میری ہی عبادت کرو۔

اس آیت کے پس منظر میں سعید ملک کہتے ہیں:

''تمام رسول ایک ہی دین سے منسلک ہونے اور اس کے داعی ہونے کی بنا پر ایک گروہ، جماعت یا امت کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ ان کے شرف اور مرتبہ علیا کے باوجود وہ لائق پرستش نہیں ... یہ وضاحت اس لیے بھی ضروری تھی کہ تقریباً تمام مذاہب کے پیرو کاروں نے انبیاء کو خدائی کا درجہ دے دیا تھا۔'' [۲]

یہ بات واضح ہے کہ انبیائے کرامؑ کو مبعوث کیے جانے کا مقصد نسلِ انسانی کی اصلاح اور انسانی معاشرے کی فلاح رہا ہے۔ دینِ اسلام اس حوالے سے بھی انسان کو خبردار کرتا ہے کہ جس طرح ان برگزیدہ ہستیوں نے صرف اللہ کے حکم کی تعمیل میں زندگیاں بسر کیں، اسی طرح ہر دور کے انسانوں پر اللہ ہی کا حکم اور قانون لازم ہے۔

یورپی اور دیگر غیر مسلم اقوام نے جہاں اپنے مخصوص مقاصد کے پیش نظر تہذیب و تمدن کے مفہوم میں بہت سی تبدیلیاں کی ہیں اور تہذیب کے نام پر ایک ایسے طرزِ معاشرت

کو پروان چڑھایا ہے جو معاشرے کے حقیقی اخلاقی رویوں اور قدروں کے لیے انتہائی خطرناک اور مہلک ثابت ہو رہا ہے، وہیں انھوں نے اُس 'طرزِ معاشرت' کو تحفظ دینے اور اُسے خاص طور پر مسلم معاشرے پر مسلط کرنے کے لیے اقوامِ عالم کے سامنے "Global Village" یا "Globalization" کا تصور بھی پیش کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جدید ٹیکنالوجی اور تیز ترین برقی ذرائع ابلاغ (Electronic Media) کی بدولت پوری دنیا سمٹ کر ایک دوسرے کے انتہائی قریب آ چکی ہے۔ لٰہذا تمام اقوامِ عالم کو اپنے تمام تر نظریاتی، روحانی، جغرافیائی اور مادی اختلافات بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک قوم اور ایک ریاست کی شکل میں کسی ایک حکومت کے زیرِ فرماں رہنا چاہیے اور اس حکومت کا اختیار یقیناً اُس قوم کو حاصل ہوگا جو سائنس اور ٹیکنالوجی میں دوسروں سے آگے اور سیاسی اور معاشی طور پر ان سے زیادہ مضبوط ہوگی۔ نیز اقوامِ عالم کے مسائل جنگوں یا تصادم سے نہین بلکہ Dialogue یا مکالمے یعنی مذاکرات سے حل ہوں گے۔

'وحدتِ اقوامِ عالم' کا تصور کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ تو فطرت کی پکار ہے اور اس تصور کا تعارف سب سے پہلے قرآنِ حکیم "کان الناس امة واحدة" کہہ کر کراتا ہے۔ لٰہذا اصل مسئلہ یہ نہیں کہ یہ وحدت ہونی چاہیے یا نہیں بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ یہ وحدت کن اصول و مبادی اور کس نظام کے تحت عمل میں آنی چاہیے؟ کیا ایسے نظام کے تحت جو اقوامِ عالم کے استحصال پر مبنی ہے اور تمیز آقا و بندہ کے منفی اصول کی روشنی میں کمزور اقوام کو ہمیشہ کے لیے بڑی اور طاقت ور قوموں کی غلامی میں دینے کی حکمتِ عملی پر گامزن ہے؟ یا ایسے نظام کے تحت جو تمام اقوام کو برابری کی سطح پر رکھے، ان سب کی آزادی کا علم بردار ہو اور سب کے انسانی حقوق کا محافظ نظام ہو۔ چونکہ ایسا نظامِ فکر و عمل صرف اسلام پیش کرتا ہے لٰہذا وحدتِ اقوام کی دعوت اصل میں اسلام کی دعوت ہے اور امتِ مسلمہ اس تصور کو اس صحیح تر تناظر میں اُجاگر کرنے کی زیادہ حق دار ہے۔ رسول نمبر ''نقوش'' کے مقالہ نگار ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ لکھتے ہیں:

''وحدتِ نسلِ انسانی کے تصور کے اندر سے مغرب کے بعض مفکر تمام عالم

کی واحد ریاست کا تصور پیش کرنے کے مدعی ہیں اور حقوقِ عامہ کے معاملہ میں سبقت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور کنگ جان کے میگنا کارٹا (۱۲۱۵ء) کو اوّلین دستاویزِ حقوق اور بعد کی متعدد وحدت آفریں تجویزوں مثلاً بین یورپالیگ آف نیشنز اور موجودہ یونائیٹڈ نیشنز وغیرہ کا بطور مثال تذکرہ کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ واحد عالمی ریاست کے نصب العین کا سنگِ بنیاد حضورؐ نے میثاقِ مدینہ کے علاوہ خصوصی طور سے حجۃ الوداع میں رکھا تھا۔'' ۳؎

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں کہ:

''اسلام ایک ایسا معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے جو نوعِ انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو۔'' ۴؎

اسلام بنی نوع انسان کی جس وحدت کا قائل ہے اُس کی بنیاد اللہ کا دین ہے۔ دین اسلام عالم گیر دین ہونے کے ناتے تمام بنی نوع انسان کو اسلامی تہذیب کا علم بردار دیکھنے کا خواہاں ہے۔ عالمی امن اور پوری دنیا کے مسائل کا حل صرف اسی میں مضمر ہے نہ کہ کسی غیر فطری نظام کے نفاذ میں۔ فخر الدین حجازی لکھتے ہیں:

''امتِ واحد کی تشکیل قرآنِ عظیم کے مفہوم میں پیغمبروں کی بعثت کا ایک مقصد تھا اور یہ ساری امت خدائے واحد لاشریک لہ کی مطیع ہوتی ہے۔'' ۵؎

عالمی نظام کی کامیابی کی ضمانت قرآن فراہم کرتا ہے۔ یہی حقیقی ضمانت ہے کیونکہ اس میں انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلا کر حاکم مطلق کے حقیقی اقتدار کے تحت ایک مرکز پر لا کر وحدتِ اقوام کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی میں انسانی معاشرے کے تمام افراد کے بلا تخصیص ہر قسم کے حقوق کے تحفظ کی یقینی ضمانت دی جاتی ہے۔

مسائل کے پرامن حل کی بہترین راہ وحدتِ اقوامِ عالم ہے بشرطیکہ مذاہب عالم میں حقانیت کو تلاش کیا جائے اور اس کی بنیاد پر وحدتِ اقوام کے تصور کو فروغ دیا جائے۔

فادر پاسکل رابرٹ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''لاکھوں لوگوں کی انتہائی غربت اور پست صورتِ حال تمام مذاہب کو چیلنج کرتی ہے کہ سب ایک ہی مقام پر متحد ہوکر عالمی سطح پر پائی جانے والی بدعنوانیوں اور برائیوں کے خلاف برسرِ پیکار ہوں۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر اسلام کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے اور یہ بات ذہن نشین کرتے ہوئے کہ اسلام اور مسیحیت دونوں ہی اپنے اپنے مخصوص انداز میں نوع انسان کی مکمل آزادی پر زور دیتے ہیں، ہم نے ان دونوں مذاہب میں مشترکہ پہلوؤں اور اقدار میں تعاون کی ضرورت کو اُجاگر کیا ہے۔'' [۶]

اسلام حریت انسانی کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ لیکن اسلام میں آزادی سے مراد آوارگی نہیں بلکہ انسان کے ہاتھوں انسانی غلامی کا خاتمہ اور اللہ کے حکم اور قانون کے آگے مکمل خودسپردگی ہے۔ یہی بات اصل میں انسانی معاشرے کے تمام المیوں کا مداوا ہے۔ اسلام اسی بنیاد پر وحدتِ اقوام کا نظریہ پیش کرتا ہے۔

سیارہ ڈائجسٹ کے ''چودہ صدیاں نمبر'' کے مقالہ نگار ڈاکٹر عبدالرؤف لکھتے ہیں:

> ''اسلامی ثقافت ایک تخلیقی تہذیب کا نام ہے، یہ انقلابی ذہن کی حامل ہے جو توحید، عظمتِ انسانی، مساوات اور اتحادِ عالم پر مبنی ہے۔'' [۷]

دین اسلام جس تہذیب کا علم بردار ہے وہ ان مسلمہ اصولوں پر مبنی ہے جو وحدتِ اقوام اور اتحادِ عالم پر فطری انداز میں دلالت کرتے ہیں۔ "Islamic World Order" (جو وحدتِ اقوام Globalization کا زبردست حامی ہے) کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ''لا اکراہ فی الدین'' کے اصول پر بھی مبنی ہے۔ یہ کسی دوسری قوم کو زبردستی اپنے دائرے میں نہیں لاتا بلکہ دلائل کی روشنی میں حقیقی عالمی نظام کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے۔

World History کے مصنف نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"All the world's great faiths have come from Asia and the last to appear was Islam, in the deserts of Arabia. The name carries the idea of total submission to God. The stark power of Islam was excellently fitted to the desert. The core of the Islamic faith has a majestic simplicity, Allah is the one true God and Muhammad is his prophet." ۸

(دنیا کے تمام بڑے مذاہب ایشیاء سے ظہور پذیر ہوئے ہیں اور سب سے آخر میں نمودار ہونے والا اسلام ہے جو عرب کے صحراؤں میں منظر عام پر آیا۔ اسلام کے نام ہی میں اللہ کے آگے مکمل طور پر جھک جانے کا نظریہ پوشیدہ ہے۔ اسلام کی قوت صحرا کے حالات سے بہت اچھی طرح مناسبت رکھتی تھی۔ دینِ اسلام کی اساس اپنے اندر یہ پرشکوہ سادگی رکھتی ہے کہ صرف اللہ ہی سچا معبود ہے اور محمدؐ اس کے پیغمبر ہیں)

اللہ کی توحید سب سے بڑی ناقابلِ تردید حقیقت ہے جسے اسلام پوری دیانت داری کے ساتھ واضح کرتا ہے۔ وحدتِ اقوام کے تصور کی بنیاد بھی یہی عقیدہ ہے۔ افراد واقوام جب تک اس ازلی وابدی صداقت میں مضمر فلسفے کو نہیں سمجھتے، Globalization کا حقیقی عملی اطلاق ممکن نہیں۔ سلمان حسین خان لکھتے ہیں:

''ذہن وفکر کی دنیا میں یہ امر مسلم ہو چکا ہے کہ جدید دَور کا اِنسان اعلیٰ اخلاقی اقدار کی پاس داری کے لیے ایک جہانی نظریے کا محتاج ہے جو اسلام کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اسلام رنگ ونسل اور زبان کے تمام امتیازات کو پاٹتے ہوئے خالص عقلی اور اصولی بنیادوں پر ایک جہانی ریاست کی نیو ڈالتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔'' ۹

نسلِ انسانی کی وحدت کے حوالے سے حکیم الامت علامہ محمد اقبال 'تشکیلِ جدید الٰہیات' میں لکھتے ہیں:

> ''تہذیب و ثقافت کی نظر سے دیکھا جائے تو بہ حیثیت ایک تحریک اسلام نے دنیائے قدیم کا نظریہ تسلیم نہیں کیا کہ کائنات ایک ساکن و جامد وجود ہے۔ برعکس اس کے وہ اسے متحرک وجود قرار دیتا ہے۔ بعینہٖ جہاں تک بطور ایک نظامِ اجتماع جذبات سے کام لینے کا تعلق ہے۔ اس نے رنگ اور خون کے رشتے ٹھکرا دیے اور اپنی توجہ صرف فرد کی ذاتی قدر و قیمت پر رکھی۔ رنگ و خون کا رشتہ زمین سے پیوستگی کا رشتہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتحادِ انسانی کے لیے کسی خالص نفسیاتی اساس کی جستجو جب ہی کامیاب ہو سکتی ہے جب اس حقیقت کا ادراک ہو جائے کہ نوعِ انسانی ایک ہے اور اس کی زندگی کا مبدأ اصلاً روحانی۔'' ۱۰

ارسطا طالیسی فلسفے میں کائنات کو جامد تصور کیا گیا ہے جو ارتقاء کے یکسر منافی ہے۔ اسلام اس نظریے کو ردّ کرتا ہے اور اس حقیقت کو اُجاگر کرتا ہے کہ کائنات میں امکانات توسیع بدستور موجود ہیں اور اس میں ارتقاء کا عمل برابر جاری ہے۔ اس کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان خونی، نسلی اور مادی رشتوں سے بالاتر ہو کر رشتۂ انسانیت کو ترجیح دے اور اس کی بنیاد پر نوعِ انسانی کی وحدت کا پرچار کرے۔ رشتۂ انسانیت اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ نسلِ انسانی کی مشترک قدروں کو منظرِ عام پر لایا جائے جن کی نشان دہی اور وضاحت دینِ فطرت کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی فکر میں اس نکتے کو نمایاں کیا ہے۔

اہلِ کتاب کے لیے لمحۂ فکریہ

قرآنِ حکیم گزشتہ تمام الہامی تعلیمات کا مصدق ہے، جو نسلِ انسانی کو یکساں طور پر حقیقت کا راستہ دکھاتا ہے۔ صفتِ ''لاریب فیہ'' سے متصف یہ صحیفۂ ہدایت انبیائے کرامؑ کی لائی ہوئی تعلیمات کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے، ان کی پیروی کا دعویٰ

کرنے والوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ اس حوالے سے قرآنِ حکیم کے درج ذیل مقامات خاص طور پر توجہ طلب ہیں۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ .(آل عمران:۶۴)

اے نبی (ﷺ) اہلِ کتاب سے کہئے کہ اُس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ .(المائدۃ: ۶۸)

کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب تم راہِ راست پر نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک کہ تم تورات، انجیل اور اس چیز کو قائم کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ. (المائدۃ:۷۷)

کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب اپنے دین میں بیجا غلو نہ کرو۔

سورہ آل عمران کی آیت نمبر:۶۴ کی تفسیر میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

> ''پروٹسٹنٹ فرقہ کئی صدی بعد کی چیز ہے۔ قرآن کے معاصر جو مسیحی تھے وہ کیتھولک فرقہ کلیسائے رومی کے متبع تھے اور اس فرقہ میں مسیح پرستی اور روح القدس پرستی تو خیر تھی اس کے علاوہ خدا معلوم کتنی اور پرستیاں موجود تھیں ... مراد یہود و نصاریٰ دونوں ہو سکتے ہیں۔ یہاں اصلاً اشارہ نصرانیوں ہی کی جانب ہے ... وہ اصل جو ہم کو تم کو دونوں کو مسلّم ہے، جس کی تعلیم تمہارے ہاں پیغمبرانِ برحق ہمیشہ دیتے آئے ہیں اور یہودیت و نصرانیت دونوں دینوں کی بنیاد ہی اسی اصل پر ہے۔'' [۱۱]

اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

> ''اس آیت سے تبلیغ و دعوت کا ایک اہم اصول معلوم ہوتا ہے، وہ یہ

کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہش مند ہو تو
اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع
ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہو۔'' ۱۲

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۶۸ کی تفسیر میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''اہل کتاب سے خطاب کہ تم دین کے بارے میں جو کچھ بحث و کلام کرتے ہو وہ جبھی قابل سماعت ہو سکتا ہے جب کہ تورات اور انجیل کی تعلیم پر قائم رہو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ کیونکہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر بتلاؤ، تمھارے پاس کون سی جگہ باقی رہ جاتی ہے، جس پر کھڑے ہو سکتے ہو اور دلیل و حجت کے ساتھ کلام کر سکتے ہو؟

نیز اس اصل کا بھی اعلان کر دیا کہ قرآن کا مطالبہ اہلِ کتاب سے یہ نہیں ہے کہ تورات اور انجیل کی صداقتوں سے لاپروا ہو جائیں، بلکہ تمام تر مطالبہ یہی ہے کہ ان پر سچائی کے ساتھ قائم ہوں، کیونکہ وہ کہتا ہے، تمام الہامی کتابوں کی حقیقی تعلیم ایک ہی ہے اور وہ خدا پرستی و نیک عمل کی دعوت ہے۔ قرآن اسی پر تمام نوعِ انسانی کو جمع کر دینا چاہتا ہے۔'' ۱۳

مذکورہ آیت کریم کی تفسیر میں ابنِ کثیرؒ بیان کرتے ہیں:

ای من الدین حتی تقیموا التورٰة والانجیل ای حتی تومنوا بجمیع ما بایدیکم من الکتٰب المنزلة من اللہ علی الأنبیاء وتعلموا بمافیھا و مما فیھا الایمان بمحمد ﷺ والامر باتباعہ ﷺ والایمان بمبعثه والاقتداء بشریعته'' ۱۴

'اہلِ کتاب کو خبردار کرتے ہوئے کہا گیا' کہ دین کے تقاضے پورے نہ ہوں گے یہاں تک کہ تم تورات وانجیل کو قائم کرو یعنی اس وقت تک جب تم اللہ کی طرف سے نبیوں پر نازل ہونے والی کتابوں میں سے جو کچھ بھی تمھارے پاس ہے، سب کے سب پر ایمان لاؤ اور جان لو کہ اس ایمان میں یہ بات داخل ہے کہ تم محمد ﷺ پر ایمان لاؤ، ان کی اتباع کرنے پر ایمان لاؤ، ان کی بعثت اور ان کی شریعت کی اقتدا پر ایمان لاؤ۔

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر: ۷۷ کی تفسیر میں امین احسن اصلاحیؒ رقم طراز ہیں:

''جس طرح یہود کی عام بیماری دین کے معاملے میں تفریط کی رہی ہے۔ اسی طرح نصاریٰ کی عام بیماری افراط اور غلو کی رہی ہے اور یہ افراط و تفریط دونوں ہی چیزیں دین کو برباد کرنے والی ہیں۔ اسی غلو کا کرشمہ ہے کہ نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو رسول سے خدا بنا ڈالا، پھر اُن کی ماں اور روح القدس کو بھی خدائی میں شامل کر دیا۔ رہبانیت کا نظام جو انھوں نے کھڑا کیا اس کے متعلق بھی قرآن نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ اُن کے غلو ہی کا کرشمہ ہے ...اس اسلوب بیان میں در پردہ نصاریٰ کے لیے یہ تلقین ہے کہ آج جس چیز کو تم نصرانیت سمجھ رہے ہو یہ تمہارے اپنے گھر کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ تمام تربت پرست قوموں سے برآمد کردہ چیز ہے جو تم پر لاددی گئی ہے۔'' ۱۵

اس ضمن میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں:

''یہودیوں نے اپنے دین میں تفریط کی اور حضرت عیسیٰؑ کی رسالت کے منکر ہو گئے اور عیسائیوں نے عیسیٰؑ کے معاملے میں افراط سے کام لیا اور ان کے اِلٰہ ہونے کے مدعی ہو گئے۔'' ۱۶

قرآن حکیم کی اہل کتاب کو قدر مشترک کی طرف دعوت، انھیں تورات اور انجیل کی اصل روح کو سمجھنے کی تلقین اور اُن کے دین میں غلو کی نشان دہی کرتے ہوئے 'روح اسلام' کے مؤلف عبد الفتاح طبارہ نے بہت جامع تبصرہ کیا ہے اور اہلِ کتاب اور اسلام کے پیروکاروں کے درمیان مصالحت کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ:

''اور جب دین ایک ہی ہو تو اُس میں اختلاف کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ پس موجودہ اختلاف جو عیسائیت اور یہودیت اور اسلام کے درمیان پیروی میں ہوا وہ آپس میں فرقہ بازیوں میں تقسیم ہو جانے سے اور باہمی دشمنیوں کے باعث ہوا۔ یہ اللہ پاک کی اس تعلیم کے

خلاف ہے کہ اُس نے ان مذاہب کو روئے زمین پر امن وسلامتی کی خاطر اور افراد اور اقوام کے درمیان محبت پیدا کرنے کے لیے بھیجا۔ اسی بناء پر آنحضرت محمد ﷺ کی رسالت آئی تا کہ حق بات بیان کی جائے اور اختلاف سے منع کیا جائے تا کہ مخالف گروپوں کے درمیان مصالحت ہو سکے۔'' ۱۷

اصل حقیقت کو سمجھنے اور اس کو منظرِ عام پر لانے کے لیے غیر جانب دارانہ غور وفکر اور مکالمہ ضروری ہے۔ یہ بات اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب کے دانشور طبقے کو خاص طور پر دعوتِ فکر دیتی ہے۔ اس تناظر میں 'حیاتِ محمد ﷺ' کے مصنف محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

''مغرب نے اسلامی ممالک میں اپنے مبلغین بھیجے تا کہ مسیحیت کی نیابت میں اسلام پر ناروا الزام لگا کر مسلمانوں کو اُن کے دین سے برگشتہ کر کے عیسویت کی طرف کھینچ لائیں ... انسانیت کی فلاح و بہبود کا یہی (اسلام) واحد ذریعہ ہے جسے انسان موجودہ دورِ تمدن میں ڈھونڈ رہا ہے ... مشرق کے مسلمان اربابِ فکر اور یہود ونصاریٰ کے روشن خیال علماء کا فرض ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام (ﷺ) جیسے اہم موضوعات پر ایسے انصاف اور بے تعصبی سے قلم اٹھائیں جس سے دنیا کو صحیح راستہ مل سکے۔ اگر اسلام کو جدید اسلوبِ تحقیق میں پیش کیا جائے تو یہی انسانی دنیا اور خالق کے نزدیک متاعِ گرامی بن سکتا ہے۔'' ۱۸

حقیقت یہ ہے کہ تمام الہامی مذاہب کی اصل ایک ہے۔ وسیع تر تناظر میں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان سب میں بنیادی طور پر حقیقت اور سچائی کو تسلیم کرنے کی دعوت ہے۔ ہر نبی نے اپنے زمانے میں توحید کی دعوت دی اور شرک اور باطل پرستی کی مذمت کی۔ گویا باطل اور فرسودہ نظریات کو ردّ کرتے ہوئے واحد سچا نظامِ زندگی اختیار کرنے کی تعلیم دی۔ نیز ہر دور میں یہ خبر بھی دی جاتی رہی کہ یہ نظامِ زندگی جب آخری

مرحلے میں داخل ہوجائے اور نقطۂ عروج کو پہنچ جائے تو یہ سب پر یکساں طور پر لازم ہوگا۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کا آخری اور فیصلہ کن زینہ نظر انداز کردیا جائے یا کسی تحریر کے آخری حصے کا انکار کردیا جائے جو کہ پوری تحریر کا نچوڑ ہو!

'اہلِ کتاب' کو نہ صرف قرآنِ حکیم بلکہ دیگر کتب وصحف سماوی بھی دعوتِ فکر دیتی ہیں کہ ایک تو بلا امتیاز سب انبیائے کرامؑ پر ایمان لانا لازم ہے اور دوسرے اُسی ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ انبیاء کی تعلیم کی روشنی میں اللہ کی طرف سے مکمل کردہ دین کو قبول کرنا ناگزیر ہے۔ انسانی معاشرے کی اصلاح اور انسان کی حقیقی فلاح کا یہی راز ہے۔ 'شریعتِ محمدیؐ' سے انحراف اصل میں شریعتِ موسویؑ اور عیسویؑ دونوں سے انحراف کے مترادف ہے۔

حضور پیغمبرِ اسلام محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اقوامِ عالم کو ایک دوسرے کے قریب آنے اور ان کے درمیان قیام وحدت کا تقاضا کرتی ہے۔ بقول سیّد ابو الاعلیٰ مودودیؒ:

> "کسی شخص کو دنیا کا لیڈر کہنے کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہونی چاہیے کہ اس نے کسی خاص قوم یا نسل یا طبقہ کی بھلائی کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کی بھلائی کے لیے کام کیا ہو۔ ایک محبِ وطن یا ایک قوم پرست لیڈر کی آپ اس حیثیت سے جتنی چاہیں قدر کرلیں کہ اُس نے اپنے لوگوں کی بڑی خدمت کی، لیکن اگر آپ اُس کے ہم وطن یا ہم قوم نہیں ہیں تو وہ آپ کا لیڈر بہر حال نہیں ہوسکتا۔ ... ساری قوموں کے انسان کسی شخص کو اپنا لیڈر صرف اُسی صورت میں مان سکتے ہیں جب کہ اس کی نگاہ میں سب قومیں اور سب آدمی یکساں ہوں۔ وہ سب کا یکساں خیر خواہ ہو ... یہ وہ کارنامہ ہے جس کی بناء پر ہم محمد ﷺ کو سرورِ عالم یا سارے جہاں کا لیڈر کہتے ہیں ان کا یہ کام کسی خاص قوم کے لیے نہ تھا۔ تمام

انسانوں کے لیے تھا۔'' ۱۹

اقوامِ عالم بالخصوص اہلِ کتاب کو اس حوالے سے بھی غور کرنا چاہیے کہ اسلام ان کی نفی نہیں کرتا بلکہ ان کی تعلیمات کے اصل پیغام کو اُجاگر کرتا ہے۔ لیکن اقوامِ عالم اور مشرق و مغرب کا المیہ یہ ہے کہ انھوں نے ایک دوسرے کو صحیح نقطۂ نظر سے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

سید ابوالحسن علی ندویؒ رقم طراز ہیں:

''صدیوں سے مشرق و مغرب کا یہی انداز ہے۔ دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور اگر سمجھا بھی تو ان سطحی اور ناقص معلومات کی روشنی میں جو صرف ان کے کمزور پہلو ہی پر مبنی تھیں۔ ان کے اندر جو خوبیاں ہیں، طاقت اور روشنی کے جو چشمے ہیں ان سے اکثر غفلت برتی گئی، ایک نے دوسرے کو جب دیکھا تو شک، خوف اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھا یا پھر نفرت و ناپسندیدگی کی نگاہ سے۔'' ۲۰

وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''انسانیت کی مصیبت مغرب کے مشرق سے جدا ہونے میں ہے۔ علم کو ایمان سے علیٰحدہ کردینے میں ہے، کارخانوں کے صحیح مقاصد اور بہتر ارادوں کے تہی مایہ ہونے میں ہے۔ اس علیٰحدگی اور دوری نے ہمارے تمدن کو ہر طرح کے مصائب میں مبتلا کردیا ہے۔ مشرق میں ایمان بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا۔ ایمان کو علم کی رفاقت کی ضرورت ہے اور علم کو ایمان کی سرپرستی اور نگرانی کی حاجت اور انسانیت ان دونوں کی رفاقت اور تعاون کی طالب اور منتظر ہے کہ ایک نئی سوسائٹی کی تعمیر ہو، نئی نسل تخلیق پائے، امنِ عالم اور سلامتی کی توقع اس 'قران السعدین' کے بعد ہی کی جاسکتی ہے۔'' ۲۱

علمی و سائنسی ترقی مغرب کی ایک بڑی خوبی ہے، اس کا اعتراف کیا جانا چاہیے۔ اگرچہ یہ خوبی مسلمانوں ہی کی مرہونِ منت ہے لیکن جس طرح ایک اچھا معلّم اپنے شاگرد کو اپنے سے زیادہ ترقی کرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اسی طرح مشرق کے لیے یہ بات باعث افتخار ہے کہ مغرب اس کا خوشہ چیں رہا ہے۔ البتہ دونوں کے درمیان حائل خلیج کو کم کرنے کے لیے مغرب کو بھی اپنے طور پر ممنون احسان ہونا چاہیے اور تعصب برائے تعصب کی راہ سے ہٹ کر اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ قرآن اور دین اسلام ہی کا نقطہ نظر تمام مذاہب کے بارے میں معتدل اور حقیقت پر مبنی ہے۔

مشرق و مغرب میں تصادم کی عصری صورتِ حال میں مکالمہ (Dialogue) اور زیادہ اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ صرف کامیاب باہمی مذاکرات اور بحث و مباحثے کے ذریعے ہی تشدد اور خونریزی سے بچا جا سکتا ہے۔ عالمِ اسلام چونکہ عسکری لحاظ سے مغرب کے مقابلے میں کمزور ہے، جو مغرب کی فوجی کارروائیوں کا جواب برابر کی طاقت سے نہیں دے سکتا لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مکالمے کی اہمیت کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے راہنمائی حاصل کی جائے اور عالمِ اسلام کے بارے میں مغرب کی غلط فہمیوں کے ازالے اور مختلف مسائل کے پرامن حل کے لیے مکالمے کی راہ ہموار کی جائے۔ مکالمہ تو اُس صورت میں بھی ناگزیر ہے جب دونوں متحارب اور متصادم گروپ برابر کی قوتیں ہوں چہ جائے کہ ان میں طاقت کا توازن نہ ہو۔

۱۱ر ستمبر کے واقعات کے بعد مغرب اور اسلامی دنیا کے درمیان پیدا ہونے والی کشیدگی کے پس منظر میں ڈاکٹر انیس احمد لکھتے ہیں:

> ''اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے مغرب کے طرزِ عمل، عزائم اور حکمتِ عملی کو سمجھنے کے لیے کیا ہمارا رویہ وہی ہونا چاہیے جو مغرب کا ہمارے ساتھ ہے یا اسلام کے اخلاقی اصولوں کی روشنی میں ہم ٹکراؤ اور تصادم کی جگہ دعوت و اصلاح کے جذبات کے ساتھ مغرب کے ان صالح عناصر کو مخاطب کریں جو مغرب کی مادہ پرستانہ بنیاد پرستی کے خلاف

اپنی عوامی رائے کا بار ہا اظہار کر چکے ہیں۔ خصوصاً عراق پر امریکی جارحیت کے دوران جن لاکھوں افراد نے اجتماعات کی شکل میں اپنے حکمرانوں کی پالیسی کے خلاف اپنے رائے کا اظہار جرأت مندی کے ساتھ ... دنیا کے ۴۰۰ بڑے شہروں میں کیا... مغرب کی جارحیت کا جواب تشدد سے نہیں حکمت اور دانش سے طویل المیعاد اور مختصر مدت کی منصوبہ بندی اور خود انحصاری سے ہی دیا جاسکتا ہے۔" ۲۲

عصری صورتِ حال یقیناً بہت زیادہ حکمت، احتیاط اور مصلحت کی متقاضی ہے۔ ایسی حکمتِ عملی کی ضرورت ہے کہ قوموں کا مستقبل ان کی خود مختاری اور تہذیب و تشخص کے ساتھ محفوظ رہے۔

حواشی و مراجع:

۱ ابوداؤد، سنن ابوداؤد، باب فی التفاخر بالانساب: حدیث نمبر ۵۱۱۶

۲ سعید ملک، اسلام، مسلمان اور دورِ حاضر، دار التذکیر، لاہور، (بدون تاریخ)، ص: ۴۲۳

۳ محمد عبداللہ، سید ڈاکٹر، سیرت نبوی کا پیغام عصرِ حاضر کے نام، نقوش، رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء، ۳/۳۷۳

۴ فاروقی، برہان احمد، ڈاکٹر، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل، ص: ۱۱۴

۵ حجازی فخرالدین، نقش پیغمبراں اور تمدنِ جہاں، ترجمہ ڈاکٹر ریاض احمد، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۳۴

۶ پاسکل، رابرٹ، مذہب اور معاشرہ، ص: ۱۷۳-۱۷۴

۷ عبدالرؤف، ڈاکٹر (مضمون) چودہ صدیاں نمبر، سیارہ ڈائجسٹ، لاہور، ص: ۱۴۶

8 Wright Kenneth Bailey, Richard, *World History* William Collins Sons and Company Limited, Glasgow and London, Ist edition: 1973. P-75

۹ سلمان حسین خان، اسلام جدید دور میں، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لیمٹیڈ،

لاہور، ۱۹۹۵ء، ص:۱۱۹

۱۰۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ترجمہ: سیّد نذیر نیازی، بزمِ اقبال، نرسنگھ داس گارڈن، کلب روڈ لاہور، طبع سوم: مئی ۱۹۸۶ء، ص:۲۲۳

۱۱۔ دریا آبادی، عبد الماجد، مولانا، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، ۱/۱۳۸، ۱۳۹

۱۲۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ۲/۸۷

۱۳۔ آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، مقبولِ اکیڈمی، کلکتہ، ۱۹۳۱ء، ص:۴۲۶

۱۴۔ القرشی، الدمشقی، اسماعیل بن کثیر، تفسیر ابن کثیر امجد اکیڈمی، لاہور، پاکستان ۱۹۸۶ء، ۲/۸۰

۱۵۔ اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲/۵۶۹

۱۶۔ پانی پتی، محمد ثناء اللہ، قاضی، تفسیر مظہری سعید کمپنی کراچی، ۳/۵۴۷

۱۷۔ طبارہ، عبد الفتاح، عفیف، روحِ اسلام، ترجمہ: ابوالحسن برنی، مکتبہ الھدیٰ، کراچی، (بدون تاریخ) ص:۳۵

۱۸۔ ہیکل، محمد حسین، حیاتِ محمد ﷺ، ص:۱۷، ۱۸، ۲۷

۱۹۔ مودودی، سیرت سرور عالمؐ، ۱/۱۵۷-۱۶۰

۲۰۔ ندوی، ابوالحسن علی، سید، مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۷۹ء، ص:۱۴

۲۱۔ ایضاً، ص:۳۱

۲۲۔ انیس احمد، ڈاکٹر، اداریہ، سہ ماہی ''مغرب اور اسلام''، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز (اسلام آباد) جنوری/مارچ ۲۰۰۳ء، ص:۱۰، ۱۱

☆